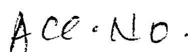
اشکِ صادق

[بہتّر سلاموں کا مجموعہ]



ڈاکٹر صادق نقوی
ایم۔ اے۔ ایم۔ فل۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
سابق ریڈر، شعبہ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی
حیدرآباد۔

اشاعت: جولائی ۱۹۹۸ء
باب العلم سوسائٹی
۲۲-۸-۱۶/۳۶۱ دارالشفاء
حیدرآباد - ۵۰۰۰۲۳
فون: ۵۲۹۳۲۳

قیمت: ۵۰ روپیے
بیرونی ممالک سے: ۵ ڈالر

انتساب

میرے چھوٹے بھائی میر شبیر علی نقوی مرحوم کے نام
جس نے بائیس برس کی عمر میں دنیا سے رخصت ہو کر مجھے وہ داغ
مفارقت دیا جو آج بھی میرے دل میں تازہ ہے۔

أ

پیش لفظ

پروفیسر مرزا اکبر علی بیگ
صدر شعبہ اردو، پوسٹ گرایجوٹ کالج،
عثمانیہ یونیورسٹی، سکندر آباد۔

رثائی ادب میں "سلام" ایک اہم صنف سخن ہے۔ مجلس عزا کا آغاز ہی یا تو سوز خوانی سے ہوتا ہے یا سلام سے۔ سوز خوانی کا فن امتداد زمانہ سے مفقود ہوتا چلا جارہا ہے معدودے چند مجالس میں سوز خوانی رائج ہے اس کے بر عکس ہر مجلس عزا میں مرثیہ سے قبل سلام پڑھا جاتا ہے۔ سلام کی صنف اردو ہی میں پھلی پھولی۔ عربی زبان میں خصوصاً قصائد میں سلام کے متفرق اشعار مل جاتے ہیں لیکن ایک صنف سخن کی حیثیت سے سلام کا عربی میں وجود نہیں ہے۔ فارسی زبان میں کچھ سلام مل جاتے ہیں لیکن ان کی کوئی ادبی حیثیت نہیں ہے اسی لئیے ممتاز محقق اور ادیب امداد امام اثر نے لکھا ہے :۔

"فارسی میں سہرا نہیں ہے مگر سلام ہے معلوم ہوتا ہے کہ اہل فارس کو سلام گوئی کا مذاق کم ہے کوئی دل خواہ سلام فارسی کا راقم الحروف کو دستیاب نہیں ہوا"

(کاشف الحقائق صفحہ ۱۷۷)

عروضی ترکیب کی رو سے غزل، سہرا اور سلام کی ہیت ایک ہے مگر ان کے مضامین اور تقاضے ایک دوسرے سے علحیدہ انداز رکھتے ہیں۔ سلام گوئی کا لطف، شوخی، رنگینی کے ساتھ غزل سرائی سے جدا نظر آتا ہے۔

سلام کو مرثیہ گو شعراء نے ترقی دی۔ سلام غزل کی ہئیت میں لکھا جاتا ہے غزل کی طرح سلام میں بھی مطلع اور مقطع ہوتا ہے۔ قوافی کی ترتیب بھی غزل کی ہیت کے

مطابق ہوتی ہے۔ غزل کی طرح سلام میں بھی شعر اپنی جگہ ایک مکمل نظم کی حیثیت رکھتا
ہے جس کا دوسرے اشعار کے ساتھ منطقی اعتبار سے مربوط ہونا ضروری نہیں ہے
یعنی غزل کی طرح سلام میں بھی تمام اشعار کا متحد المضمون ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ
مختلف المضمون ہونا ہی انسب ہے غزل کی طرح سلام کے لیے بھی کوئی عنوان تجویز
نہیں کیا جاسکتا ہے۔ سلام میں بھی تعداد اشعار دس، بارہ ہی ہوتی ہے ایجاز و اختصار اور
نکتہ سنجی کو سلام گو شعرا بھی ملحوظ رکھتے ہیں جہاں تک فارم کا تعلق ہے سلام اور غزل میں
کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ سلام گو شعراء کی محفل جس میں سلام سنائے
جاتے ہیں مشاعرہ کے وزن پر" مسالمہ" کہلاتی ہے شمس العلماء شبلی نعمانی نے اپنی
معرکتہ آلارا تصنیف "موازنہ انیس و دبیر" کے صفحہ ۲۴ پر سلام کے بارے میں لکھا ہے:

"غزل اس قدر کانوں میں بس چکی تھی کہ ان لوگوں (مرثیہ گو شعرا) کو بھی اس انداز میں کچھ
نہ کچھ کہنا پڑتا تھا اس بنا پر انھوں نے غزل کی طرز پر سلام ایجاد کیا۔ سلام کی بحریں وہی غزل
کی ہوتی ہیں غزل کی طرح مضمون کے لحاظ سے شعر الگ الگ ہوتا ہے۔ سلام کی خوبی یہ
ہے کہ طرح شگفتہ اور نئی، بندش سادہ اور صاف، مضمون دردانگیز اور پرتاثیر ہو"

سلام کی فضا غزل کی فضا سے اس وجہ سے مختلف ہو جاتی ہے کہ غزل کے وہ
مضامین جن کا تعلق، عشق مجازی سے ہے سلام میں شامل نہیں ہوسکتے جہاں تک سلام
کے معنوی پہلو کا تعلق ہے کہا جاسکتا ہے کہ سلام نے مرثیہ کے بطن سے جنم لیا ہے۔
مرثیہ کے تمام مضامین اس میں شامل کئے جاسکتے ہیں۔ مناقب علیؑ، مناقب حسینؑ، مناقب
شہدائے کربلا، مصائب آل رسولؐ اور شہدائے کربلا کے واقعات شجاعت و شہادت جیسے
مضامین کے علاوہ تمام اخلاقی اور تمدنی امور بھی سلام میں نظم کے جاسکتے ہیں۔ مرثیے
کے عام مضامین کے علاوہ سلام میں دوسری نوعیت کے جو مضامین بیان کئے جاتے ہیں
وہ بعض اوقات اس حد تک غزل کے رنگ میں ہوتے ہیں کہ اپنے الفاظ، معنی اور پیرایہ
اظہار کے اعتبار سے وہ غزل ہی کے اشعار معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں میں حضرت انیس

کے صرف چار اشعار پیش کرنے پر ہی اکتفا کر رہا ہوں جو ان کے سلاموں سے لیے گئے ہیں

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ، ضعیف پیری نے چنا ہے جامہ ہستی کی آستینوں کو
خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو
تمام عمر جو کی سب نے بے رخی ہم سے کفن میں ہم بھی عزیزوں سے منہ چھپا کے چلے
انیس دم کا بھروسہ نہیں ٹھہر جاؤ چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

سلام کی تمہید کے بعد میں " اشکِ صادق " کے خالق کی حیات اور کارناموں کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں ڈاکٹر صادق نقوی کی شخصیت ہم اہل حیدرآباد کے لیے محتاج تعارف نہیں ہے ایک شاعر، ایک استاد، ایک ادیب، ایک مورخ، ایک محقق، ایک نقاد، ایک مقرر اور سب سے زیادہ اہم ایک ذاکر اہلبیت اطہار کی حیثیت سے وہ ہماری ادبی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی مجلسوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی کے بھی ادیب ہیں یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ ایک پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں۔ سائنس کے گریجویٹ اور تاریخ کے استاد ہونے کے باوجود میں ان کو بنیادی طور پر اردو دنیا کا ایک فرد فرید سمجھتا ہوں۔

" اشکِ صادق " ڈاکٹر صادق نقوی کا چوتھا شعری مجموعہ ہے اس سے قبل پہلا مجموعہ " روشن لکیریں " (۱۹۷۹ء) میں، دوسرا مجموعہ " جذبہ صادق ۱۹۸۳ء میں اور تیسرا مجموعہ " روشن زاویے " (۱۹۹۰ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ " جذبہ صادق " میں قطعات اور منقبتوں کے علاوہ پندرہ سلام بھی شامل تھے ان سلاموں کو ڈاکٹر صادق نقوی نے ادبی دیانت کا ثبوت دیتے ہوئے سلاموں کے اس مجموعہ " اشکِ صادق " میں شامل نہیں کیا ہے۔ " اشکِ صادق " میں ۷۲ سلام ہیں۔ ۷۲ سے ڈاکٹر صادق نقوی کو نسبتِ خاص ہے چنانچہ خود انھوں نے لکھا ہے۔

ایک سانچے میں ڈھلے تھے یہ بہتر پیکر
موت کے سائے میں جن کا نہ ارادہ بدلا

ڈاکٹر صادق نقوی اپنے وجود کو شاعر سے الگ نہیں سمجھتے وہ خود کہتے ہیں کہ وہ پہلے شاعر ہیں بعد میں سب کچھ۔

ایک تاریخ دان یا مورخ ہونے کے ناطے ان کے خاص استعارون میں لاشعوری طور پر تاریخ شامل ہے مثال کے طور پر صرف ایک شعر ملاحظہ کیجئے

میں صادق عظمت تاریخ کی بانہوں میں جیتا ہوں
میری نسبت سے ہوتی ہے چمن میں روشنی لکھو

تاریخ کے علاوہ پیاس، تشنگی، کربلا، سوکھے پھول، سوکھے زرد پتے، صحرا، شعلے اور سورج بھی ان کے استعارون میں ہم محسوس کیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ ایک علم دوست خاندان کے چشم وچراغ ہیں ان کے بزرگوں نے علم وادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ ڈاکٹر صادق نقوی کے نانا میر محمد علی موثرؔ ایک صاحب طرز شاعر تھے انھوں نے زیادہ تر مذہبی شاعری کی۔ ڈاکٹر صادق نقوی کی والدہ محترمہ سکینہ بیگم عفتؔ کے نوحوں کا مجموعہ "ثبوتِ نجات" آج بھی مقبول خاص و عام ہے۔ ڈاکٹر صادق نقوی کے والد محترم جناب سید احمد حسین نقوی مرحوم گورنمنٹ سٹی کالج حیدرآباد کے ممتاز معلم تھے۔ راقم الحروف اور ڈاکٹر عقیل ہاشمی کے لیے یہ باعث افتخار ہے کہ ہم دونوں تین سال تک جناب سید احمد حسین نقوی مرحوم کے عزیز شاگردانِ رشید رہے۔ مرحوم ہم کو تاریخ انگلستان پڑھاتے تھے اور سچ تو یہ ہے کہ حق ادا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صادق نقوی کے دادا سید مہدی حسین نقوی مرحوم بڑے علم دوست انسان تھے۔ ڈاکٹر صادق نقوی کے حقیقی چچا ہندو پاک کے نامور صحافی اور ادیب محترم سید بادشاہ حسین نقوی نے "اردو میں ڈرامہ نگاری" کے عنوان سے اردو میں ڈرامہ پر پہلی کتاب لکھی تھی جو آج بھی قدر و منزلت اور حوالے کی کتابوں میں شامل ہے۔ ڈاکٹر صادق نقوی کی تربیت میں سید بادشاہ حسین نقوی کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ ازراہ عقیدت مندی اپنے تیسرے مجموعے "روشن زاویے" کو اپنے چچا سید بادشاہ حسین نقوی کے نام معنون کر کے ڈاکٹر صادق نے اپنی سعادت مندی کا ثبوت دیا ہے۔

علمی و ادبی میدان کے علاوہ ڈاکٹر صادق نقوی ایک بہترین اسپورٹسمین بھی ہیں۔ گورنمنٹ سٹی کالج کی کرکٹ ٹیم اور ٹیبل ٹینس ٹیم کے وہ کپتان رہے ہیں نظام کالج کی فٹبال، کرکٹ اور اتھیلٹک ٹیموں میں وہ شامل رہے۔ فٹبال میں انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کی نمائندگی کی۔ بی۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آل سینٹس ہائی اسکول میں معلم مقرر ہوئے جہاں وہ ریاضی پڑھانے کے علاوہ کرکٹ ٹیم کی کوچنگ بھی کیا کرتے تھے بعد میں سینک اسکول کورکنڈہ اور حیدرآباد پبلک اسکول، بیگم پیٹ منتقل ہوگئے۔ ۱۹۷۸ء میں عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ میں بحثیت لیکچرر ان کا تقرر ہوا بعد میں وہ ترقی کرتے ہوئے ریڈر ہوگئے بحثیت ریڈر وہ وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ دوران ملازمت انھوں نے ایم۔ فل، فارسی کا ڈپلوما اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئیے بعنوان "مسلم ادارے اور دور قطب شاہی مین ان کے کارنامے" پر تحقیقی مقالہ لکھا جس پر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز کیا گیا۔ اس تفصیل کو دینے کا مقصد یہ ہے کہ علمی و ادبی اور کھیلوں کے میدان کا یہ نامور کھلاڑی اگر یہ کہے تو بے جا نہ ہوگا۔

ہر فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

اردو میں چار مجموعے شائع کرنے کے علاوہ تاریخ کی ایک کتاب انگریزی میں "حیدرآباد کے قطب شاہی عاشور خانے" دوبار شائع ہوچکی ہے اس کے علاوہ ان کی دو انگریزی زبان میں لکھی ہوئی کتابیں "ایران۔ دکھن تعلقات" اور "مسلم ادارے اور قطب شاہی دور میں ان کے کارنامے" بہت مقبول ہوئیں اردو میں ان کی نثری تصنیف "تاریخ اور ادب کا باہمی ربط" ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ ۳۵ برس سے ڈاکٹر صادق نقوی ذاکری کا مقدس فریضہ بھی انجام دے رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی بخشائش کے لیے یہ کافی ہے خود ڈاکٹر صادق نقوی نے اس مجموعے میں لکھا ہے

بخشش کے واسطے مرے کافی ہیں شعر یہ
صادق مجھے بھروسہ ہے اپنے کلام پر

حیدرآباد کے مشہور ادارے " باب العلم سوسائٹی " کے وہ بیس برس سے سکریٹری ہیں۔ اسلامک ریسرچ جرنل " دی نور " کے ۲۰ سال سے ایڈیٹر ہیں۔ ساری دنیا میں صاحبان علم کی نظروں میں یہ جریدہ قابل قدر حیثیت کا حامل ہے یہ بڑی پابندی سے شائع ہوتا ہے اس کی کامیابی کا سہرا صرف ڈاکٹر صادق نقوی کو ہی جاتا ہے۔ " باب العلم سوسائٹی " نے ڈاکٹر صادق نقوی کی نگرانی میں ( ) کتابیں شائع کی ہیں۔ ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے وہ نگران کار بھی ہیں متعدد طلبا وطالبات نے ان کی نگرانی میں تحقیقی مقالے لکھے ہیں اس وقت مقامی طلباء وطالبات کے علاوہ کئی غیر ملکی ریسرچ اسکالرس بھی ڈاکٹر صاحب کی ہی نگرانی میں اپنے تحقیقی مقالے لکھنے میں مصروف ہیں۔

ڈاکٹر صادق نقوی کی شاعری کی ابتداء ۱۹۵۵ ء میں ہوئی جب وہ طالب علم ہی تھے۔ ہندو پاک کے مقبول شاعر علامہ نجم آفندیؔ سے ان کو شرف تلمذ رہا علامہ نجم آفندیؔ کی پاکستان ہجرت کرنے اور انتقال کے بعد ڈاکٹر صادق نقوی نے کسی اور کو اپنا استاد نہیں بنایا۔

ڈاکٹر صادق نقوی ایک راسخ العقیدہ مومن ہیں جہاں جہاں موقعہ ملا ہے انھوں نے اپنے عقائد کو پیش کرنے کی گنجائش نکالی ہے " اشکِ صادق " کے سلاموں میں جس انداز سے انھوں نے شمعِ مودت فروزاں کی ہے قاری پڑھنے کے بعد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ اشعار پڑھیئے :۔

خوں اپنا دے کہ دین کی قسمت سنوار دی ۔۔۔ اس وصف میں نبیؐ کے برابر حسینؑ ہیں

یہ بھی سانحہ صادقؔ کچھ عجیب لگتا ہے ۔۔۔ بات حق کی کرتا ہوں شاعری سمجھتے ہیں

ذکرِ حسینؑ مدحِ علیؑ طاعتِ رسولؐ ۔۔۔ اعمال اتنے کافی ہیں میرے حساب سے

صادق نے شرف حضرت شبیرؑ سے پایا ۔۔۔ ذاکر بھی ہے شاعر بھی ہے مولا کے کرم سے

تری مجلس میں دنیا سے اٹھانا ۔۔۔ مرے مولا یہ صادقؔ کی دعا ہے

نام بھی صادقؔ ہے میرا جذبہ صادق بھی ہے ۔۔۔ یہ عطا ہے میرے مولا کی اجالا دل میں ہے

شاعر و ذاکر ہوں صادقؔ حضرت شبیرؑ کا — مجھ کو جنت میں مرے مشکل کشا لے جائیں گے

صادقؔ کا نام لکھ کے یہ القاب میں لکھو — مولائی ہے، حسینؑ کا خدمت گذار ہے

جب بھی صادقؔ سج گئی ہے محفلِ ذکرِ حسینؑ — میرا مٹی کا مکان ایوان نظر آنے لگا

ماتم کے داغ اشکِ عزا حبِ اہلبیت — جاؤں گا روز حشر یہ ساماں لیے ہوئے

ایک ہی صادقؔ دعا کرتا رہا ہوں روز و شب — میرے مالک اور بھڑکا دے ولا کی تشنگی

مدح علیؑ و ذکر شہ کربلا کے بیچ — صادقؔ میں جی رہا ہوں بڑے بانکپن کے ساتھ

چھ ماہ کے نونہال شہزادہ علی اصغر کے تبسم کو اس شعر میں پڑھیئے۔

جسے اسلام کہتا ہے زمانہ — وہ اصغرؑ کے تبسم کی عطا ہے

میدان جہاد میں کسی دور میں بھی چھ ماہ کا معصوم کبھی شریک نہیں ہوا ہے یہ واقعہ صرف کربلا میں رونما ہوا ڈاکٹر صادق نقوی نے اس کی کیا خوب عکاسی کی ہے

کبھی جہاد کے میدان میں چھ مہینے کا — کسی بھی دور میں بچہ نظر نہیں آتا

حضرت عباسؑ ہمشکل جناب امیرؑ تھے کربلا کی جنگ میں نیابت علیؑ کر رہے تھے ۔ رعب و داب میں وہ اپنے والد محترم کی مثال تھے حضرت عباسؑ کی آرزو تھی کہ دریائے فرات سے مشک سکینہؑ خیموں تک پہنچ جائے مگر ان کا یہ ارمان پورا نہ ہو سکا وہ شہید ہوئے مگر پانی کا ایک بوند بھی نہ پیا۔ اس کی ڈاکٹر صادق نے کیا اچھی تصویر کھینچی ہے

پیاسے عباسؑ جو دریا سے پلٹ کر آئے — اپنی قسمت پہ بہت پھوٹ کے رویا پانی

معرکہ خیر و شر ہر دور میں وقوع پذیر ہوتا رہا ہے طاغوتی طاقتیں خیر کو ختم کر کے شر پھیلانے کی ہمیشہ منتظر رہی ہیں حضرت حرؑ بھی بھٹک گئے تھے مگر بر وقت راہ راست پر آگئے اس کی مرقع کشی دیکھئیے :۔

پائے شبیرؑ پہ سر رکھتے ہی بدلی تقدیر — حرؑ جہنم سے چلے اور سوئے کوثر آئے

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جنھیں عابد بیمار بھی کہا جاتا ہے حق بندگی ادا کرنے میں ہمیشہ مستعد رہے حالانکہ ان کی گردن میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہنائی گئی تھیں ڈاکٹر صادق نقوی نے کیا خوب منظر کشی کی ہے۔

معجزہ ہے عابدِ بیمار کا ذوقِ نماز طوق گردن میں ہے سجدے کا ارادہ دل میں ہے

ہم لوگ روایتاً مردہ پرست واقع ہوئے ہیں اس لیے زندگی میں تو کسی کی قدر کرنا سیکھے ہی نہیں یہ حیرت کی بات نہیں کہ ڈاکٹر صادق نقوی کو بھی وہ مقام ابھی تک نہیں ملا ہے جس کے وہ مستحق ہیں اب تک اردو ادب میں ڈاکٹر صادق نقوی نے "روشن زاویے" اور "جذبہِ صادق" سے "روشن لکیریں" کھینچی تھیں اس وقت وہ "اشکِ صادق" سیدہؑ کونین کی خدمت میں پیش کرنے کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ "اشکِ صادق" کی اشاعت پر میں ڈاکٹر صادق نقوی کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے۔

دعا گو ہوں کہ ڈاکٹر صادق نقوی کے "اشکِ صادق" بارگاہ فاطمہؑ میں قبولیت کا شرف حاصل کریں (آمین)

حیدر گوڑہ، حیدرآباد۔

۲۰ جون ۱۹۹۸ء

عرضِ صادق

ڈاکٹر صادق نقوی

یہ میرا چوتھا شعری مجموعہ ہے اس سے قبل غزلوں اور نظموں کے دو مجموعے روشن لکریں اور روش زاویئے اور مذہبی شاعری کا ایک مجموعہ جذبہ صادق شائع ہوچکے ہیں۔ جذبہ صادق میں قطعات اور منقبتوں کے ساتھ سلام بھی شامل تھے۔ لیکن اشکِ صادق میں شائع ہونے والے بہتر سلام جذبہ صادق کی اشاعت کے بعد کہے گئے اس لیے ان میں کا کوئی سلام میرے پہلے مجموعے میں شامل نہیں ہے۔

اللہ کے کرم اور مولاؑ کے فضل سے پچھلے ۱۴ سالوں سے میرے گھر پر ہر ماہ کے دوسرے جمعہ کو محفلِ مدحِ اہلبیت پابندی سے منعقد ہوتی رہی ہے۔ ان محفلوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں شعر کہنے کے لئے شعراء کو صرف ردیف دی جاتی ہے۔ قافیہ، بحر اور ممدوح کا انتخاب شاعر پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ محرم اور صفر کے مہینوں میں مسالمے منعقد ہوتے ہیں۔ اس مجموعہ میں شامل سلاموں کی قابل لحاظ تعداد میرے اپنے گھر کی محفلوں کے لیے کہے گئے سلاموں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ حیدرآباد میں ایام عزا کے دوران بڑی تعداد میں طرحی مسالمے بھی منعقد ہوتے ہیں۔ میں پابندی سے ان مسالموں میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ اس لیے کچھ سلام ان محفلوں کی طرح پر کہے ہوئے ہیں لیکن ان کے ساتھ ہی وہ سلام بھی اس مجموعے شامل ہیں جو میں نے طبع زاد زمینوں میں کہے ہیں۔ مجھے اپنے سلاموں کی ادبی اور فنی اہمیت پر کچھ بھی کہنا نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ علامہ نجم افندی مرحوم کے بعد میں نے اپنے کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ اس لیے تلاش کرنے والوں کو اس مجموعے میں یقیناً زبان و بیان و عروض کی کچھ لغزشیں ضرور مل جائیں گی۔ میں نے یہ شعر ادب میں اپنے مقام کو اجاگر کرنے کے لئے نہیں کہے ہیں بلکہ یہ اہلِ بیت اطہار سے میری والہانہ عقیدت ہے جو لفظوں میں میں نے سمو دی ہے۔

میرا مقصد ان کی خوشنودی ہے جن کا غم میری زندگی پر محیط ہے۔ اگر انھیں اس مجموعے کا ایک شعر بھی پسند آجائے تو میری آخرت سنور جائے گی۔

میرا عقیدہ یہ ہے کہ جب شاعری کا موضوع مدحِ نبی و آلِ نبی یا ذکر مصائب شہدائے کربلا ہوتا ہے تو شاعری صرف شاعری نہیں فکر کی عبادت بن جاتی ہے۔ میں نے یہ بہتر سلام اسی لیے شائع کیے ہیں کہ اس عبادت میں آپ بھی میرے ساتھ شریک ہو جائیں۔ یوں بھی شاعر اور قاری میں اتنا ہی فرق ہوتا ہے کہ شاعر اُن جذبات کو لفظ دیتا ہے جو قاری کے دل میں یا تو موجود ہوتے ہیں یا پھر سما جاتے ہیں۔

میں اس مجموعے کی اشاعت میں میری اعانت کرنے والے اپنے سارے احباب کا ممنون ہوں خاص طور پر پروفیسر اکبر علی بیگ، صدر شعبہ اردو پوسٹ گریجویٹ کالج آف سائنس اینڈ آرٹس عثمانیہ یونیورسٹی کا جنھوں نے اپنے گرانقدر مضمون سے میری عزت افزائی فرمائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اعتبار حق ثبوت زندگانی دیجیے
میرے مولا بحر الفاظ و معانی دیجیے

فکر و دانش کی عطا کا شکریہ کرلوں ادا
مدح کے دھاروں میں دریا کی روانی دیجیے

ذکر ابن ساقی کوثر کا کرلوں اہتمام
آنکھ کے سوکھے ہوئے ساغر میں پانی دیجیے

کہہ رہا ہوں فکر کے بہتے ہوئے دریا کے بیچ
یا حسین ابن علی تشنہ دہانی دیجیے

خونِ دل سے لکھ رہا ہوں داستانِ کربلا
تاکہ مولاؑ سے کہوں رنگین بیانی دیجیے

جون کا صدقہ میرے آقا حسین ابن علیؑ
آپ کا ذاکر ہے صادقؔ زندگانی دیجیے

شبر کی صلح ہو کہ ہو شبیر کا مزاج
دونوں ہی رخ سے ایک ہے تصویر کا مزاج

دو نام میں نے لکھے ہیں عباس اور حسینؑ
جب بھی بدلنا چاہا ہے تحریر کا مزاج

حر، کربلا، حسینؑ اور ایک لمحہ حیات
دانشورو یہی تو ہے تقدیر کا مزاج

میدان کارزار میں اللہ کی قسم
عباس کا مزاج تھا بے شیر کا مزاج

کربل کی سرزمین سے دربار شام تک
شمشیر آبدار تھا زنجیر کا مزاج

عرفان تھا حسینؑ کو عباس کو خبر
کتنی بلندیوں پہ تھا ہمشیر کا مزاج

صادقؔ خدا گواہ کہ میثم زبان پر
مدحِ علی سے نکھرا ہے تقریر کا مزاج

حوصلہ یہ بھی عطائے غم سرور نکلے
خشک آنکھوں سے بھی چاہوں تو سمندر نکلے

سوچتا ہوں کہ یہ مشکل ہے مگر ممکن ہے
نام ہو میرا لکھا حرؑ کا مقدر نکلے

یوں چلے حضرت عباس سوئے نہر فرات
جیسے تلوار لیے فاتح خیبر نکلے

معجزا یہ بھی ہے انصار حسینؑ ابن علیؑ
ایک تھے شان میں گنتی میں بہتر نکلے

ایک تھا باب فرائض میں عمل دونوں کا
سو گئے اکبر جرار تو اصغر نکلے

اس کو کہتے ہیں مقدر کہ غلامانِ حسینؑ
خون میں ڈوبے تو کوثر کے برابر نکلے

اتنی ہے آپ سے صادقؔ کی تمنا آقا
آپ آواز دیں اور گھر سے سخنور نکلے

لفظ ملتے ہیں کہاں شایانِ شانِ تشنگی
یاس کی سرحد پہ آ پہنچی زبانِ تشنگی

سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری ہجوم یاس میں
یوں علی اصغرؑ نے لکھا ہے بیانِ تشنگی

ہے تصور سے پرے فکر و نظر سے ماورا
سرحدوں میں آ نہیں سکتا جہانِ تشنگی

علقہ قدموں میں تھی چہرے پہ تھا صبر و سکون
کتنا آسان ہوگیا تھا امتحانِ تشنگی

اے علیؑ کے لال تیری دور بینی کے نثار
مشک پر لکھی ہے تو نے داستانِ تشنگی

مسکرا کے تو نے ذہنوں میں اجالا کر دیا
چھ مہینے کے مجاہد آسمانِ تشنگی

اس سے آگے کوئی منزل تھی نہ کوئی راستہ
کربلا پر رک گیا جو کاروانِ تشنگی

بیبیاں معصوم بچے اور بہتر سورما
مختصر کتنا تھا دیکھو خاندانِ تشنگی

حُر ھوا دونوں جہاں میں یوں مقدر بن گیا
موت کی جانب بڑھا جو مہمانِ تشنگی

آنکھ میں آنسو ہیں صادقؔ دل بہت مغموم ہے
یاد آتا ہے سکینہؑ کا بیانِ تشنگی

قطعہ

علی کے نقش پا پر سر جھکانے کو ملیں آنکھیں
نظر مہرِ رسالت پر جمانے کو ملیں آنکھیں

مِرا تو یہ عقیدہ ہے کہ صادقؔ اہلِ ایماں کو
غمِ شبیر میں آنسو بہانے کو ملیں آنکھیں

تشنگی درد و الم آس تمنا پانی
کتنے مفہوم ادا کرتا ہے دریا پانی

پیاس شبیر کی سن کر جو بہہ آنکھوں سے
موتیوں سے بھی گراں ہوتا ہے ایسا پانی

سوچتا ہوں لبِ دریا کہ خدا نے شاید
نام عباس کا لے کر ہے بہایا پانی

جب خیال آتا ہے خیموں میں لگے شعلوں کا
میری آنکھوں سے برستا ہے سلگتا پانی

یاد آتی ہے وصیت جو مرے مولا کی
یاد کر کر کہ انھیں پیتا ہوں ٹھنڈا پانی

دیکھ لی حضرت عباس نے تصویر وفا
ایک شیشہ کی طرح ہوتا ہے اجلا پانی

پانی پانی ہے ابھی شرم سے بادل کا مزاج
اب بھی ملتا نہیں صحرا میں برستا پانی

اوس گرتی ہے تو رہ رہ کے خیال آتا ہے
تشنگیِ علی اصغر پہ ہے روتا پانی

پیاسے عباس جو دریا سے پلٹ کر آئے
اپنی قسمت پہ بہت پھوٹ کے رویا پانی

اک اشارہ بھی کیا ہوتا اگر اصغر نے
سنگ ریزوں کا جگر چیر کے آتا پانی

دامنِ فاطمہ زہرا میں جگہ پاتا ہے
میری آنکھوں کے کٹوروں سے چھلکتا پانی

دل کی گہرائی سے عباس کو آواز تو دو
دیکھو صادق ابھی مل جائے گا ٹھنڈا پانی

قطعہ

تفسیرِ دینِ حق کے لیے دی گئی زبان
لب چپ ہوئے تو آنکھوں میں رکھدی گئی زبان

ذکرِ حسین ، مدحِ علی ، طاعتِ رسول
بس اس کے واسطے ہی عطا کی گئی زبان

ماتم شبیر مدح مرتضیٰ کی پیاس ہے
جو حقیقی زندگی ہے اُس عطا کی پیاس ہے

تشنگی کا لفظ لکھ کر سوچنے لگتا ہوں میں
یہ ثنائے ثانیِ مشکل کشا کی پیاس ہے

دیکھ سکتے ہو اسے گر ہو شعورِ تشنگی
خشک مشکیزے پہ لکھی باوفا کی پیاس ہے

سامنے خاکِ شفا ہے اور پڑھتا ہوں نماز
ذکرِ خالق میں بھی اب مجھ کو ولا کی پیاس ہے

مست ہوں پی کر غدیرِ خم کے ساغر رات دن
ہے تو بس مجھ کو دعائے فاطمہ کی پیاس ہے

اشکِ غم کیسے رکیں گے کون روکے گا انھیں
میری آنکھوں میں شہید نینوا کی پیاس ہے

چھ مہینے کے مجاھد تیری عظمت کے نثار
مسکراہٹ میں تری عزم وفا کی پیاس ہے

خاندان سرفروشان حسینؑ سے ہوں میں
جو ملی ہے مجھ کو ورثہ میں وفا کی پیاس ہے

اوج ممبر پر بھی صادقؔ بس یہی کہتا رہا
ذاکر آل محمد کو بقا کی پیاس ہے

قطعہ

وہ پھول سے بچے وہ عزائم وہ ارادے
پھر چشمِ فلک نے نہیں دیکھے وہ جیالے

آنکھوں میں شہادت کی تمنا کا سویرا
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ تبسم کے اجالے

سامنے میرے جو آیا کبھی ٹھنڈا پانی
میری آنکھوں کے کٹوروں سے ہے چھلکا پانی

پیاسے دریا سے پلٹ آئے جو عباسِ علی
دیکھ کر شان وفا رک گیا بہتا پانی

صبر کی شان زمانے کو دکھانے کے لیے
حُر کے لشکر کو بھی سرور نے پلایا پانی

خشک مشکیزہ پہ لکھا تھا تقاضۂ وفا
اور عباس کے قدموں میں تھا پیاسا پانی

میری تقدیر کو دیتا ہے بہاروں کا مزاج
میری آنکھوں سے برستا ہوا تازہ پانی

حکم شبیر جو ہوتا تو خدا شاہد ہے
ٹوٹ کر دسویں محرم کو برستا پانی

جب بھی آجاتا ہے جلتے ہوئے خیموں کا خیال
میری آنکھوں سے برستا ہے سلگتا پانی

صبر کی حد کو بتانا تھا وگرنہ صادقؔ
حوض کوثر سے منگا سکتا تھا پیاسا پانی

وہ اعتبارِ حق ہے زمین و زمن کے ساتھ
یہ بھی لکھا ہے میں نے غریب الوطن کے ساتھ

اُن کے کرم پہ تکیہ ہے اعمال پر نہیں
"جائیں گے باغِ خلد میں ہم پنجتن کے ساتھ"

ہے چار سو برس سے عزا داری حسین
یہ بھی شرف عظیم ہے ارضِ دکن کے ساتھ

وہ جس کہ زیر پا تھی سلیمان کی مملکت
تھا مطمئن بہت وہ لباس کہن کے ساتھ

تیرہ برس کے سن میں صفوں کو الٹ دیا
خیبر شکن کا ظرف تھا ابنِ حسن کے ساتھ

بھائی کی یاد ، درد و الم ، ذمہ داریاں
زینبؑ نے رات کاٹی ہے اس انجمن کے ساتھ

مدحِ علی و ذکرِ شہ کربلا کے بیچ
صادق — میں جی رہا ہوں بڑے بانکپن کے ساتھ

رات عاشور کی آئی تو بہتر جاگے
دن کو یوں سوئے کہ پرنور مقدر جاگے

ایسے محسوس ہوا تیغ بکف ہوں حیدرؑ
نکلے خیمے سے جو عباسؑ تو لشکر جاگے

اک محمد کا پسر ایک علیؑ کا بیٹا
چاند سورج کی طرح دونوں برابر جاگے

ڈھلتے سورج نے بڑے غور سے دیکھا ہوگا
چشم لیلیٰ میں جو پیاسے علی اکبرؑ جاگے

ایک تھا بابِ فرائض میں عمل دونوں کا
سوگئے اکبرؑ جرار تو اصغر جاگے

غل تھا فوجوں میں علمدار کے تیور بدلے
پیکرِ حضرت عباسؑ میں حیدرؑ جاگے

ایسی تقدیر ہو صادقؔ کی حسینؑ ابن علیؑ
مجلس و مدح میں یہ تیرا سخنور جاگے

اشکِ غمِ حسینؑ کی تاثیر کے سوا
کوئی عمل نہیں غمِ شبیر کے سوا

سجدہ کیا نہ لاش پر بیٹوں کی آج تک
ماں نے کبھی بھی زینبِ دلگیر کے سوا

تصویر انبیاء نہیں ملتی لہو میں تر
پیغمبر حیات کی تصویر کے سوا

یہ کُل زمین آسماں فردوس سلسبیل
کچھ بھی نہیں محبوں کی جاگیر کے سوا

ہاتھوں میں ہتکڑی تھی تو پاؤں میں بیڑیاں
یہ بوجھ بھی تھا جسم پہ زنجیر کے سوا

صادقؔ کو دو شرف ملے درِ آل رسولؐ سے
تقریر میں اثر ملا تحریر کے سوا

تشنگی وسعتِ دریا پہ ابھر کر آئے
وہ اگر چاہے تو چلو میں سمندر آئے

ایک سجدے کی تمنا لیے جیتا ہوں ابھی
فرض پورا ہو اگر ثانیِ حیدر آئے

صبحِ عاشور کو صحرا میں اذاں جب گونجی
ایسے محسوس ہوا جیسے پیمبر آئے

تیر و تلوار و تبر چھوڑ کے بھاگے بزدل
فوجِ اعدا میں جو عباس دلاور آئے

پائے شبیر پہ سر رکھتے ہی بدلی تقدیر
حُر جہنم سے چلے اور سوئے کوثر آئے

فخر کرتی ہوئی تقدیر سرہانے آئی
جون کی لاش پہ جس وقت کہ سرور آئے

غل ہوا عرصہ محشر میں جو صادق پہنچے
دیکھو کس شان سے حیدر کے ثنا گر آئے

خاک کے ذروں سے رفعت آسمانوں کو ملی
کربلا تیری زمیں عزت معابوں کو ملی

مسکرانے کی ادا پیاسے نے سکھلائی انھیں
عزت و توقیر اصغر سے گلابوں کو ملی

شام کے تاریک زنداں میں جب آئے ہیں حرم
ظلمتِ شب کی سیاہی آفتابوں کو ملی

گرم ریتی پر اگائے ہیں گُلِ مدحِ حسینؑ
یہ فضیلت یہ ادا بس حق شعاروں کو ملی

مجلسِ شاہِ شہیداں درس گاہِ خاص ہے
اس میں شرکت بس ہمارے خاندانوں کو ملی

سایہ ابن علیؑ میں سانس لیتی ہے حیات
اس لئے تو زندگانی غم گساروں کو ملی

لے لئے بوسے نظر نے عظمتِ قرطاس کے
سرخی شاہِ شہیداں جب کتابوں کو ملی

شاعری صورت گری ہے جذبہ اخلاص کی
اس لئے دولت یہ صادقؔ حق شعاروں کو ملی

ساقی کوثر کا نائب اور بلا کی تشنگی
صبر کہتے ہیں اسے یہ ہے وفا کی تشنگی

ہے اگر نورِ بصیرت دیکھ سکتے ہو ابھی
مشک پر لکھی ہوئی ہے کربلا کی تشنگی

اے علمدار حسینی تیری عظمت کے نثار
خون کی سرخی سے لکھی ہے وفا کی تشنگی

میثم تمار کا عزم و ارادہ ہو اگر
دار پر محسوس ہوتی ہے ولا کی تشنگی

چادرِ تطہیر میں چھانی گئی عاشور کو
رہراوانِ عشق کی اہل وفا کی تشنگی

یہ پتا چلتا نہیں تاریخ کے اوراق سے
کس قدر دل سوز تھی آلِ عبا کی تشنگی

ایک ہی صادقؔ دعا کرتا رہا ہوں روز و شب
میرے مالک اور بھڑکا دے ولا کی تشنگی

صادقؔ ہوں کیا ڈرونگا کسی انقلاب سے
نسبت ہے مجھ کو خاک در بوتراب سے

ذکر حسینؑ مدح علیؑ طاعت رسول
اعمال اتنے کافی ہیں میرے حساب سے

مدحِ حسینؑ ابن علیؑ لکھ کے دوستو
منسوب کررہا ہوں حدیثِ ثواب سے

زہرا کی بیٹیاں تھیں کھلے سر برہنہ پا
مصرعہ یہ پڑھ رہا ہوں عزا کی کتاب سے

اے انقلاب کرب و بلا تیرا فیض ہے
کیا معتبر ہوا ہے بشر انقلاب سے

آنسو بہا رہا ہوں میں کربل کی خاک پر
آنکھوں کا ربط دیکھے دل کی جناب سے

جب سے سنا ہے طاعت حیدر کا واقعہ
الفت سی ہوگئی ہے مجھے آفتاب سے

اکبر کے رنگ و روپ کو حسن و جمال کو
تشبیہہ دے رہا ہوں رسالت مآب سے

اصغر کی لاش دیکھ کے ہاتھوں پہ شاہ کے
کیسے کیا ہے صبر یہ پوچھو رباب سے

مولا علی کی دین ہے شبیر کی عطا
صادقؔ نظر جو آتے ہیں کچھ کامیاب سے

قطعہ

ایک ہلکا سا تصور ہے مرے احساس میں
وصف لکھتا ہوں علیؑ کے زندگی کی آس میں

کاٹ دے نظروں سے جو تعداد لشکر کا غرور
ہے علیؑ میں یہ صفت یا حضرت عباس میں

جو بھی قرآن میں نظر آیا
وہ تیری شان میں نظر آیا

وہ مجاہد جو ماں کی گود میں تھا
وہ بھی میدان میں نظر آیا

ظلمت شب کی آندھیوں میں بھی
" نور زندان میں نظر آیا "

صبر اور حوصلہ، شعور کے ساتھ
شہ کے نادان میں نظر آیا

ذکرِ شبیر ذکرِ شیر خدا
مجھ کو فرقان میں نظر آیا

جس نے آنکھوں کو دی نظر صادقؔ
حق کے اعلان میں نظر آیا

فوج یزید اور بہتر کے سامنے
تنکا رکھا ہو جیسے سمندر کے سامنے

ہاتھوں پہ چھ مہینے کے بچے کی لاش تھی
شبیر تھے کھڑے ہوئے مادر کے سامنے

اس کی ردیف نے ہی اشارہ دیا مجھے
پڑھنا ہے یہ سلام پیمبر کے سامنے

ستر کروڑ ہوتے مقابل تو بات تھی
چھ لاکھ کیا ٹھہرتے غضنفر کے سامنے

کتنے تو خود ہی مرگئے نہرِ فرات پر
عباسِ نامدار کے تیور کے سامنے

پانی نہ تھا فرات کا عباس کے قریب
تشنہ لبی تھی ثانیٔ حیدر کے سامنے

میرا عمل ہے مصرعہ ثانی نہیں مرا
بیٹھا ہوا ہوں کب سے ترے در کے سامنے

فردوس بر زمین کا مطلب ہے کربلا
صادقؔ یہ کہہ رہا ہوں سخنور کے سامنے

احمد مختار کا نفس خدا کا راستہ
فکر روشن کررہا ہے کربلا کا راستہ

واسطہ شبیرؑ کا دے کر دعا کرتا ہوں میں
صاف کتنا ہوگیا میری دعا کا راستہ

دھوپ صحرا پیاس اور ساقی کوثر کا پسر
کتنے طوفانوں سے گذرا کربلا کا راستہ

پیاس جب پانی کو دیتی ہے شکست فاش تو
ذہنِ انسان پر ابھرتا ہے وفا کا راستہ

مانگ لیتا ہوں غمِ شبیرؑ سے عزم و یقین
سامنے آتا ہے جب جور و جفا کا راستہ

چھ مہینے کے مجاہد کی قسم کرب و بلا
صبر کی معراج ہے مشکل کشا کا راستہ

خون پانی کی طرح بہتا تھا پیاسے تھے حسینؑ
اس کو کہتے ہیں شہید کربلا کا راستہ

عابدِ بیمار کے نقشِ قدم ہیں ضوفشاں
ہے جو روشن آج بھی صبر و رضا کا راستہ

اے سریرِ معرفت کے رازدانِ معتبر
تیرے سجدے سے ملا دینِ خدا کا راستہ

اک تبسم تیر کا کتنا مکمل تھا جواب
جس نے بخشا ہے مجھے صادقؔ ثنا کا راستہ

قطعہ

فکر کی قوت ملی مدحِ علیؑ کے واسطے
دل ملا ہے الفتِ آلِ نبی کے واسطے

یا علیؑ کی مدح ہو یا ماتمِ شبیر ہو
ہیں فقط یہ دو سہارے زندگی کے واسطے

تاثیر ہیں ہم فاطمہ زہرا کی دعا کی
لازم ہے عزا ہم پہ شہِ کرب و بلا کی

یاد آتی ہے عباس کی جب تشنہ دہانی
آنسو سے لکھا کرتا ہوں تفسیر وفا کی

بس اس کے سوا کچھ نہیں مانگا کبھی میں نے
ایماں پہ جینے کی یا مرنے کی دعا کی

تیروں کے سہارے پہ بدن ٹھہرا ہوا تھا
اس حال میں شبیر نے خالق کی ثنا کی

قرآن کی آیت سے تعارف ہوا اس کا
توقیر یہ تھی فاطمہ زہرا کی ردا کی

یاد آتا ہے شبیر کا وہ سجدے آخر
تسبیح اگر ہاتھ میں ہو خاکِ شفا کی

تاریخ یہ بتلاتی ہے ہر دور جفا میں
صادقؔ نے سر دار بھی حیدر کی ثنا کی

جواب استغاثہ بے صدا ہے
زبان بے زبانی سے دیا ہے

علی اصغر بھی قرآں وفا ہے
حقیقت بین نگاہوں نے پڑھا ہے

دھکتی آگ نے ثابت کیا ہے
علم شبیرؑ کا ایک معجزا ہے

جسے اسلام کہتا ہے زمانہ
وہ اصغرؑ کے تبسم کی عطا ہے

وہ جس کے نقش پا قبلہ نما ہیں
وہ کانٹوں پر برہنہ پا چلا ہے

عبادت مقصد تخلیق انسان
" غم شہ زندگی کا مدعا ہے "

میں اشکوں کی زبانی کہہ رہا ہوں
تبسم بے زباں کا معجزا ہے

غلامِ حضرت شبیر ہوں میں
مرا مدفن ، زمین کربلا ہے

دھکتی آگ کے شعلوں سے پوچھو
علمبردار کا کیا مرتبہ ہے

وہ چاہے تو زمانے کو بدل دے
جسے قیدی زمانہ کہہ رہا ہے

تری مجلس میں دنیا سے اٹھانا
مرے مولا یہ صادقؔ کی دعا ہے

قطعہ

پائی زبان مدحتِ حیدرؑ کے واسطے
عزت ملی غلامیٔ قنبر کے واسطے

اب انقلاب وقت کی پروا نہیں رہی
زندہ ہوں ذکر آلِ پیمبر کے واسطے

تین دن کی پیاس میں وہ صبر و ایثارِ حسینؑ
فکر کی حد سے سوا ہے شانِ کردارِ حسینؑ

موت کی بانہوں میں ہنس کر جون نے بتلا دیا
مطمئن رہتا ہے ہر حالت میں غم خوارِ حسینؑ

رات کی تاریکیوں میں جیسے سورج کی کرن
تیر کھا کر مسکرایا ایسے دلدارِ حسینؑ

پیاس میں حمد و ثنا تیروں کی چھاؤں میں نماز
بہتر میں وہی کردار و اقدارِ حسینؑ

چاہیے اشکوں کے گوہر نذر کرنے کے لئے
درد و غم کی چھاؤں میں سجتا ہے دربارِ حسینؑ

آیتیں قران کی ہیں یا احادیث نبیؐ
یوں بتایا ہے بشر کو حق نے معیارِ حسینؑ

جذبہ اخلاص و الفت جرات حق آگہی
ہوں اگر موجود مل جائے گی سرکارِ حسینؑ

اشک افشانی ہے صادقؔ اسلئے شرطِ نجات
باوضو آنکھوں ہی سے ممکن ہے دیدارِ حسینؑ

آتا رہا خیالِ پیمبر تمام رات
اکبرؑ کو دیکھتے رہے سرور تمام رات

سینے پہ سونے والی رہی فرشِ خاک پر
تھا کربلا یہ تیرا مقدر تمام رات

بیمار کا سکون سکینہ کے دل کا چین
شبیرؑ دن میں زینب مضطر تمام رات

بزمِ عزائے حضرت شبیرؑ کے نثار
مشغول حق رہا ہوں میں اکثر تمام رات

جلتے ہوئے خیام سے اٹھتا رہا دھواں
عابد یہ دیکھتے رہے منظر تمام رات

میرے لئے تو رات بھی روشن ہے دوستو
لکھتا ہوں مدح حیدر صفدر تمام رات

کس میں ہمت ہے جو لکھے شعر اس معیار کا
تذکرہ آسان نہیں ہے حیدرؑ کرار کا

مشک ہے معصوم کی اب تک علم کے ساتھ ساتھ
تشنگی کے ساتھ رشتہ ہے علمبردار کا

تم نے دیکھی ہی نہیں عباسؑ کی شانِ وفا
یہ پسر ہے شامیو کرار کا جرار کا

تذکرہ اکبرؑ کا کرتا ہوں مگر بے ساختہ
نام آتا ہے زباں پر احمدِ مختار کا

میثمِ تمار کے شاگرد ہیں اس باب میں
دار پر بھی تذکرہ کرتے ہیں ہم سردار کا

خشک چھوٹی سی زبان سے کربلا کی جنگ میں
کام اصغر نے لیا ہے تیر کا تلوار کا

شام کے دربار کی بنیاد ڈھانے کے لئے
ایک خطبہ ہی بہت تھا عابدِ بیمار کا

آیتوں کی چھاؤں میں روشن حدیثوں کے دیئے
کیا سلیقہ ہے مرے سرکار کی سرکار کا

کانپ جاتا ہوں تڑپ جاتا ہوں روتا ہوں کہ ہائے
کربلا میں لٹ گیا گھر احمدِ مختار کا

آپ کا ذاکر ہے صادقؔ آپ کا مداح ہے
کام اتنا ہی فقط ہے آپ کے غمخوار کا

قطعہ

ہیں روشن ابھی تک مری فکر و فن میں
بھڑکتے خیامِ حسینی کے شعلے

برستے ہیں آنکھوں سے آنسو کی صورت
مرے چاکِ داماں پہ پانی کے شعلے

لہو کے رنگ سے قرطاسِ دل پر یا علی لکھو
محبت سے عبارت ہے ہماری زندگی لکھو

اگر ہو آبلہ پائی میں صحرا کا سفر مشکل
تو بیمارِ زمینِ کربلا کی بے کسی لکھو

سمندر تھا وہ اک پیاسا جو دریا کہ مقابل تھا
اُسی نے مشک میں بھردی تھی اپنی تشنگی لکھو

محمد سے محمد تک وفا کا یہ تقاضہ ہے
حسین ابن علی لکھو حسین ابن علی لکھو

مرے الفاظ کو باطل کے دعووں سے ہے ٹکرانا
مرے ہر لفظ کے سینے پہ تم ناد علی لکھو

میں صادقؔ عظمت تاریخ کی باہنوں میں جیتا ہوں
مری نسبت سے ہوتی ہے چمن میں روشنی لکھو

یہ نور کبریا کے سلسلے ہیں
جو تشنہ لب ہزاروں سے لڑے ہیں

علمدارِ حسینی کی وفا نے
سلیقے زندگانی کو دیئے ہیں

زمینِ کربلا سے میرے دل تک
صراطِ عشق پر روشن دیئے ہیں

فراتِ فکر کی موجوں کے آگے
میرے الفاظ تشنہ لب کھڑے ہیں

مدد اے ساقی کوثر کے وارث
مرے افکار پانی مانگتے ہیں

مرا ہر شعر ہے اک جامِ کوثر
یہ سارے جام میرے نام کے ہیں

یہ پندرھویں صدی میں بھی صحیح ہے
"کھٹن کرب و بلا کے راستے ہیں"

تصور کی نظر حیران ہے اب بھی
جو دیکھے ہیں وہ کیسے معجزے ہیں

وہ جن کے نقشِ پا ہیں رشکِ جنت
وہ جلتی ریت پر تنہا کھڑے ہیں

فضائل شاہ والا کے ہیں صادقؔ
مگر پنہاں ان ہی میں مرثیے ہیں

قطعہ

زندگی بھر کی خطائیں بخشوانے کے لیے
رحمتِ خلاقِ عالم آزمانے کے لیے

میرے مولا نے کہا ہے اے عزادارِ حسینؑ
ایک آنسو چاہیے جنّت میں جانے کے لیے

امامت کی عظمت جہاں کو بتانے
حسینؑ آرہے ہیں بھرا گھر لٹانے

یہ دوچار آنسو یہ دوچار آہیں
خدا کی قسم ہیں یہی تو خزانے

یہ سوکھے ہوئے چند پتے ہیں جن پر
یزیدوں نے لکھے ہیں اپنے فسانے

ہے عباس ابن علی کی یہ عظمت
علم کو سہارا دیا ہے وفا نے

قلم رکھ کے قرطاس پر کیا لکھوں گا
ہیں آنکھوں میں آنسو کی صورت فسانے

لکھی ہے جو تشنہ لبوں کی مصیبت
میں کوثر پہ جاؤں گا اِس کو سنانے

منافق کی قسمت میں ہوتا نہیں ہے
یہ ماتم وسیلہ ہے غم آزمانے

یہ ننھے مجاہد نے سمجھا دیا ہے
جگر چاہیے ظلم پر مسکرانے

ہیں نظریں میری روعِ مشکل کشا پر
قضا بھی کھڑی ہے ادب سے سرہانے

ہے شبیر کی ٹھوکروں میں حکومت
زمانے لگے ہیں تمہیں یہ بتانے

ابھی تک ہے صادقؔ مصائب کا طوفان
کہاں جا کے ٹھہرے گا اللہ جانے

قطعہ

صورت گرِ آیاتِ جلی کہتے ہیں
خالق کی جو مرضی ہے وہی کہتے ہیں

ہم دینِ محمد کو محمد کی قسم
احسانِ حسین ابنِ علی کہتے ہیں

ایمان ، الفتِ غمِ آل عبا سے ہے
وہ دل ہے جس کا رابطہ کرب و بلا سے ہے

عباسؑ ہیں فرات پہ پانی کے سامنے
تشنہ لبی کا معرکہ شاہِ وفا سے ہے

میں سوچتا ہوں پڑھ کے یہ تاریخ بارہا
اسلام ہے حسینؑ سے یا مصطفیٰؐ سے ہے

زندہ ہوں ذکر آلِ پیمبر کے واسطے
میری بقا کا سلسلہ مدح و ثنا سے ہے

سر رکھ رہا ہوں خونِ شہیداں کی خاک پر
سجدوں کا اعتبار ہی خاکِ شفا سے ہے

تقدیر اس کو کہتا ہوں اے فاطمہؑ کے لال
صادقؔ کا نام ذکرِ شہِ کربلا سے ہے

لہو میں اپنے نہا رہے ہیں یہ اپنی الفت حسینؑ سے ہے
بھڑکتے شعلوں پہ چل رہے ہیں یہ عزم و ہمت حسینؑ سے ہے

یہی عمل ہے یہی عبادت یہی ہے سرمایہ زندگی کا
تمہارا کیا ہے خدا ہی جانے ہمیں تو الفت حسینؑ سے ہے

ہے اُس کی نظروں میں کربلا کا غریب پیاسا امام زادہ
رواں ہیں آنکھوں سے جس کہ آنسو اُسی کی نسبت حسینؑ سے ہے

یہ چودہ صدیوں سے کہہ رہے ہیں حسینؑ کا غم منانے والے
ہماری وقعت حسینؑ سے ہے ہماری عزت حسینؑ سے ہے

یہی ہے فکر و نظر کا حاصل یہی ہے تاریخ کا خلاصہ
جہاں علم و عمل میں باقی نبی کی سیرت حسینؑ سے ہے

کلام حق میں بھی یہ لکھا ہے نبی کا ارشاد بھی یہی ہے
قسم خدا کی ہے یہ حقیقت کہ غم کی دولت حسینؑ سے ہے

یہ ان کا احسان ہے کہ صادقؔ عطا کی فکر و نظر کی دولت
جہانِ شعر و ادب میں صادقؔ ہر ایک صداقت حسینؑ سے ہے

شبیرؑ سے زینبؑ سے عباسؑ سے حیدرؑ سے
جو کچھ بھی ملا مجھ کو پایا ہے اسی گھر سے

حیدرؑ کا سلیقہ تھا عباسؑ کے حملے میں
میدان لرزتا تھا عباس کے تیور سے

حملے کی اجازت ہے اظہار عطش کردو
شبیرؑ نے فرمایا پیاسے علی اصغر سے

اس وقت سمجھ لینا خاتون جنان آئیں
رحمت کی گھٹا جس دم محفل پہ تری برسے

تاریخِ وفا اُس دم تکمیل کو پہنچے گی
بہتا ہوا دریا بھی دیدار کو جب ترسے

شبیرؑ کی مجلس میں یہ سوچ کے آتا ہوں
زہرا کی دعائیں بھی ملتی ہیں مقدر سے

صادقؔ سے اگر تم کو ملنا ہو قیامت میں
جنت میں ملے گا وہ کچھ دور پہ کوثر سے

تقدیر بدل دیتے ہیں تاثیرِ زبان سے
حُر ہوش میں آئے علی اکبر کی اذان سے

وہ قبر ہو ، برزق ہو کہ محشر کا سماں ہو
عباس وہاں ہوں گے پکاروں گا جہاں سے

شبیرؑ کی تنہائی کو لکھنا نہیں ممکن
تم لفظ بھی لاؤ گے تو لاؤ گے کہاں سے

تاریخ عطش میں یہی سرخی سے لکھا ہے
دو گام پہ دریا تھا شہِ تشنہ دہان سے

اصغر کے تبسم نے اسے ختم کیا ہے
اب دور کا رشتہ بھی نہیں تیر و کمان سے

شبیر کے سجدے نے بچالیں ہیں نمازیں
مسجد میں اذان باقی ہے اکبر کی اذان سے

ذاکر بھی ہوں شاعر بھی ہوں شبیرؑ کا صادقؔ
بس اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہتا زبان سے

میری نسبت خاص ہے یہ حیدر کرار سے
جی رہا ہوں لمحہ لمحہ مانگ کر سرکار سے

چودہ صدیوں سے یہی کہتے رہے صاحب نظر
درس آزادی ملا ہے عابد بیمار سے

ماتم مظلوم ہی سے ظلم کی پہچان ہے
آدمی بنتا ہے انسان بس اسی اقرار سے

اُن کی نسلیں آج بھی کہتی ہیں رونے کو حرام
بھیک ملتی تھی جنھیں کچھ شام کے دربار سے

فوج کو پسپا کیا اور تشنگی کو دی شکست
دوہری تھی جنگ ساحل پر علمبردار سے

نام بھی صادقؔ ہے میرا اور صفت بھی ہے یہی
یہ شرف مجھ کو ملا ہے احمد مختار سے

ذاکرِ آلِ نبی ہوں خوبیِ تقدیر سے
یہ شرف پایا ہے میں نے حضرتِ شبیر سے

رو دیا کرتا ہوں میں سن کر اذاں وقتِ نماز
یاد آتے ہیں علی اکبر بہت تکبیر سے

خار کا جو ہے تعلق پھول کی پتی کے ساتھ
تیر کی نسبت وہی ہے اصغرِ بے شیر سے

چادرِ تطہیر میں تھی آلِ احمد شام میں
ہوسکے تو پوچھ لیجئے آیہِ تطہیر سے

جس کی مدح کر رہی ہیں آیتیں قرآن کی
جگمگاتا ہے جہاں اس نور کی تنویر سے

یاد اصغر کی ستائے گی بہت وقتِ جہاد
پیاسے بچوں نے کہا یہ زینبِ دلگیر سے

ثانیِ زہرا ہے اور اکبر کا لاشہ سامنے
باہمی یہ ربط ہے تصویر کو تصویر سے

کیا عقیدہ ہے مرا اور کیا عمل میں نے کیا
پوچھتے کیا ہو فرشتو ذاکرِ شبیر سے

جرأت اظہار ہو حق کی حمایت کے لیے
یہ عطائے خاص ہے حیدر کی مدحت کے لیے

حضرت عباس، قاسم اور علی اکبر کے ساتھ
چھ مہینہ کا مجاہد بھی ہے نصرت کے لیے

الفتِ شبیر کی نعمت کہاں سب کا نصیب
فاضلِ طینت ضروری ہے محبت کے لیے

پیاس اور دریا کا ساحل ایک ہی عنوان ہے
ہے مگر مخصوص یہ اہلِ بصیرت کے لیے

کربلا میں درس یہ ابن مظاہر نے دیا
الفتِ شبیر لازم ہے عبادت کے لیے

اس کی پیشانی پہ ہے رومال زہرا آج بھی
چن لیا حُر کو خدا نے اِس فضیلت کے لیے

دھوپ صحرا تشنگی غربت ہر ایک عنوان ہے
کربلا سے شام تک زینب کی عظمت کے لیے

۱

دل پہ جب حملہ ہوا تو میں نے یہ مصرعہ پڑھا
دل بنا آلِ پیمبر کی محبت کے لیے

ذاکرِ شبیر ہوں صادقؔ شرف کافی ہے یہ
دین و دنیا میں مری توقیر و عزت کے لیے۔

قطعہ

زندہ ہے فکر عظمتِ احساس لکھ دیا
باقی ہے زندگی کی ابھی آس لکھ دیا

طوفان بڑھا تو موت کی باہوں کے درمیاں
پانی پہ میں نے حضرتِ عباس لکھ دیا

فکر و نظر پہ ایک عنایت ہے کربلا
قرآں ہیں حسینؑ تو آیت ہے کربلا

عنوانِ تشنگی کی علامت ہے کربلا
عباسؑ کے لہو سے عبارت ہے کربلا

خاکِ شفا پہ سر کو جھکا کر تو دیکھے
معراجِ بندگی ہے عبادت ہے کربلا

بچوں کی پیاس مشک پہ لکھی ہے خون سے
فرزندِ فاطمہؑ کی یہ عظمت ہے کربلا

صادقؔ کی زندگی کا سہارا حسینؑ ہیں
یہ حق کی بات ہے یہ صداقت ہے کربلا

کربلا سے اپنے دل کا رابطہ لے جائیں گے
ہم محمدؐ کے نواسے کی دعا لے جائیں گے

دم کہیں نکلے کہیں پر موت آئے دوستو
"عرش سے آکر فرشتے کربلا لے جائیں گے"

داغِ ماتم بھی ثبوتِ محکم ایمان ہے
اس کو سینے پر فقط اہل ولا لے جائیں گے

ماننا تو یہ پڑے گا اہلِ ایمان کو ضرور
ان کو بھی جنت نصیری کے خدا لے جائیں گے

اصغرِ معصوم نے لکھا ہے اپنے خون سے
کربلا کا معرکہ اہلِ وفا لے جائیں گے

شاعر و ذاکر ہوں صادقؔ حضرت شبیرؑ کا
مجھ کو جنت میں مرے مشکل کشا لے جائیں گے

آئے عباسِ علی جنگ کا نقشہ بدلا
لشکرِ شام لرزنے لگا سمٹا بدلا

مجلسِ حضرتِ شبیرؑ میں آئیں زہرا
آج ماحول نظر آتا ہے بدلا بدلا

تھا علمدارِ حسین ابن علی کا سایہ
احتراماً جو مزاجِ رخِ دریا بدلا

ایک سانچے میں ڈھلے تھے یہ بہتر پیکر
موت کے سائے میں جن کا نہ ارادہ بدلا

ہے ثبات اس کو جسے کرب و بلا کہتے ہیں
زندگی بدلی فضا بدلی زمانہ بدلا

رات تنہائی غم و درد و الم اور زینبؑ
قتلِ شبیر ہوئے زیست کا نقشہ بدلا

ایک بیمار کے قدموں کا اجالا لے کر
شام کی سرحد تاریک کا رستہ بدلا

اس پہ تاریخ ہے شاہد کہ ہر اک عالم میں
عزمِ صادق کبھی بدلا نہ ارادہ بدلا

خون سے نامہ اعمال میں یہ لکھا ہے
" ماتم سبطِ نبی زیست کا سرمایہ ہے "

دیکھنے والے تو لفظوں میں لہو دیکھتے ہیں
ظلم تاریخ کے پردے میں کہاں چھپتا ہے

مدحتِ سبطِ پیمبر کی ہر ایک آیت ہیں
دیکھ سکتے ہوں اگر آپ تو سرمایہ ہے

لا کے ننھے سے مجاہد کو کہا سرور نے
ظالمو اصغرِ معصوم بہت پیاسا ہے

ہم تو لفظوں کے مقدر کو بدل دیتے ہیں
ورنہ شبیرؑ کی مدحت کا کسے دعویٰ ہے

یہ سمجھ کر کرو شبیرؑ کی مجلس میں بیان
سننے والا پس پردا ہے سنا کرتا ہے

مدحتِ حضرت عباسؑ میں صادق — لکھو
وہ ہر ایک رخ سے سمندر ہے مگر پیاسا ہے

تشنگی اصغرؑ کی آنکھوں میں تمنا دل میں ہے
حضرت عباسؑ دریا پر ہیں صدمہ دل میں ہے

میں بصارت سے بصیرت کی طرف ہوں گامزن
شعر کاغذ پر لکھے ہیں اور تولا دل میں ہے

حضرتِ عباسؑ سے زینبؑ کے عزم و فکر تک
کربلا کا واقعہ ذہنوں میں جذبہ دل میں ہے

مجھ کو اپنے دل کی چوکھٹ پر ہی جھک جانا پڑا
فکر نے جب یہ کہا مولاؑ کا روضہ دل میں ہے

معجزا ہے عابدِ بیمار کا ذوق نماز
طوق گردن میں ہے سجدے کا ارادہ دل میں ہے

ٹوٹتی سانسوں کی سرحد پر کہوں گا یا حسینؑ
آپ کے نقشِ کفِ پا کا اجالا دل میں ہے

کربلا سے شام کے زنداں تک آئی ہے رباب
پھر بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ جھولا دل میں ہے

تیری چوکھٹ پر بس اک سجدے کا مل جائے شرف
میرے مولا اب تو بس اتنی تمنا دل میں ہے

نام بھی صادقؔ ہے میرا جذبہ صادق بھی ہے
یہ عطا ہے میرے مولا کی اجالا دل میں ہے

قطعہ

ہر حجت خدا کا بس ایک ہے سہارا
مشکل میں ہر نبیؑ نے حیدرؑ کو ہے پکارا

حجت حسینؑ بھی تھے مشکل تھی کربلا میں
لیکن علیؑ کے بدلے عباس کو پکارا

کربلا جب مرکز ایمان نظر آنے لگا
اعتبارِ حق بہت آسان نظر آنے لگا

مدحِ اہلبیت نے بخشی ہے ذہنوں کو جلا
بزم میں شبیر کی انسان نظر آنے لگا

غور سے دیکھا ہے جب بھی وسعت اسلام کو
حضرتِ شبیر کا احسان نظر آنے لگا

جب اڑھایا ہے علی اصغر پہ دامن شاہ نے
شام کے لشکر کو بھی قرآن نظر آنے لگا

رکھ لیا شبیرؑ کا نقش کف پا ڈھونڈ کر
جب دلِ نادان مجھے ویران نظر آنے لگا

حضرت عباسؑ کے حملے کا ایسا تھا اثر
ساحلِ دریا بہت سنسان نظر آنے لگا

ایک اک سجدہ جنابِ حضرتِ شبیرؑ کا
بندگی کے واسطے عنوان نظر آنے لگا

جب بھی صادق سج گئی ہے محفل ذکر حسینؑ
میرا مٹی کا مکان ایوان نظر آنے لگا

اپنے مداح کو شایستہ نظر دیتے ہیں
شعر میں کہتا ہوں شبیر اثر دیتے ہیں

حرملہ زادوں کو یہ بات کھٹکتی ہے بہت
ہم ہر اک رات کو امیدِ سحر دیتے ہیں

میں دعاؤں کو بھی الفاظ نہیں دیتا ہوں
دل میں ہوتی ہے دعا اور وہ اثر دیتے ہیں

ان کی طینت کا تقاضہ ہے محبت کا مزاج
یہ عزادار ہیں آنسو کے گہر دیتے ہیں

یہ اثر ہے علی اکبر کی اذاں کا دیکھو
حُر کی تقدیر کو شبیر کا در دیتے ہیں

کربلا جا کے ٹھہرتی ہے تصور کی نظر
مرے مولا جو مجھے اِذنِ سفر دیتے ہیں

یہ وفاؤں کا خلاصہ ہے یقیناً صادقؔ
نام عباس پہ ہم صرف زبر دیتے ہیں

یہ وقت بھی مزاج بھی کل اعتبار بھی
ماتم حسینؑ کا ہے وفا کا خمار بھی

اصغر کو دے کہ پیاس کی آغوش میں رباب
ناوک کی زد پہ رکھ دیا دل کا قرار بھی

پانی بہا تو مشکِ سکینہؑ میں بھر دیا
عباسؑ نے جلال بھی اور اختیار بھی

عابدؑ سا کوئی مرد مجاہد نہیں ہوا
زنجیر بھی گواہ ہے اور نوکِ خار بھی

عباسؑ لکھ کہ شعر کی تکمیل کیجیے
لکھا ہوا ملے جو کہیں اعتبار بھی

وہ یہ کہے کہ پیاس دھواں بن کہ چھا گئی
کونین پر رہا ہو جسے اختیار بھی

صادقؔ کا نام لکھ کے یہ القاب میں لکھو
مولائی ہے حسینؑ کا خدمتگذار بھی

عطا حسینؑ کی ہے فکر و فن حسین سے ہے
زمین شعر پہ یہ بانکپن حسینؑ سے ہے

یزیدیت کے مقابل کھڑے ہیں حق والے
وقارِ جرأت دار و رسن حسینؑ سے ہے

لہو لہو ہے بدن آفتاب ہیں چہرے
فضاء درد کی یہ انجمن حسینؑ سے ہے

ہے چار صدیوں سے شبیرؑ کی عزاداری
یہ افتخارِ فضاِ دکھن حسینؑ سے ہے

تھے کربلا میں غریب الوطن شہ مظلوم
مگر ہمارے لئے یہ وطن حسینؑ سے ہے

اگر وہ چاہتا رک جاتی گردشِ دوران
خدا گواہ زمین و زمن حسینؑ سے ہے

عرب کے تپتے ہوئے ریگ زار میں صادقؔ
زمین کرب و بلا کا چمن حسینؑ سے ہے

زبانِ شعر میں ہم بے زباں تک آ پہنچے
چلے زمین سے اور آسمان تک آ پہنچے

میں اپنے اشک سے سینچوں گا باغ مدحت کا
خزاں کبھی جو مرے گلستان تک آ پہنچے

کہا صغیر نے یہ مسکرا کہ بابا سے
چلے تھے جھولے سے باغِ جناں تک آ پہنچے

خدا نے جن کو نوازا ہے چشمِ بینا سے
حسین ابنِ علیؑ کے بیان تک آ پہنچے

زمین کانپ رہی تھی فلک کو لرزہ تھا
جو دستِ سبطِ پیمبر سناں تک آ پہنچے

مرے بھی سینے پہ سورج نکلنے والا ہے
کہ داغِ ماتمِ سرور یہاں تک آ پہنچے

زمانہ دیکھ رہا تھا بڑی تمنا سے
ہم اہلِ درد جو دارالاماں تک آ پہنچے

صداقتوں کے اجالے کی بات ہے صادقؔ
علی کی مدح کی باغِ جناں تک آ پہنچے

کربل کی سرزمین پہ شہ تشنہ کام پر
کتنی مصیتیں تھیں محمد مقام پر

شبیر ایک نام نہیں کائنات ہے
اسلام جی رہا ہے اسی ایک نام پر

یہ کربلا ہے تشنہ لبوں کی ہے مملکت
فردوس ہے یہاں سے فقط ایک گام پر

مشک سکینہ چھد گئی شانے قلم ہوئے
یہ ظلم اور وہ بھی وفا کے امام پر

جب تک عزا ہے دین محمد ہے سرخ رو
شبیر کا کرم ہے حیات دوام پر

بخشش کے واسطے مرے کافی ہیں شعر یہ
صادقؔ مجھے بھروسہ ہے اپنے کلام پر

یہ ردائے فاطمہ ہے یا خدا کی شان ہے
جس کے سائے میں مکمل نور ہے قران ہے

ہم حسینی قافلے والوں کی یہ پہچان ہے
آنکھ میں آنسو ہیں دل میں قوتِ ایمان ہے

وہ تو کہہ سکتا نہیں تھا ہم نے سمجھا ہے مگر
چھ مہینے کا مجاھد بولتا قران ہے

پاؤں کے چھالوں نے لکھا ہے یہ راہ شام پر
سید سجاد کا اسلام پر احسان ہے

ہیں مسلسل بھی مماثل بھی مصائب بے شمار
کربلا کا ایک حصہ شام کا زندان ہے

سر جھکائے خوف سے لرزاں ہے باطل کا نقیب
سید سجاد کی تقریر کا طوفان ہے

خون سے سینوں پہ لکھا ہے حسینؑ ابن علیؑ
یہ ہمارے عزم پر شبیر کا احسان ہے

تیر کھا کر مسکرانا اس کا محکم ہے ثبوت
مقصد شبیرؑ کا اصغرؑ کو بھی عرفان ہے

اگر ہو ظلم سے نفرت تو ہے پہچان انسان کی
یہی ہے شرطِ اول رفعت و عرفان و ایمان کی

دیارِ شام میں کوفہ میں درباروں میں زندان میں
فضیلت ہم کو بتلائی گئی نیزے سے قران کی

غضب کی آندھیوں میں ظلم میں دور جہالت میں
سکونِ قلب ہے الفت فقط شاہِ شہیداں کی

مجھے بس آپ کے قدموں میں تھوڑی سی جگہ دیجئے
مجھے درکار کب ہے سلطنت شاہ سلیمان کی

تمہاری راہ پر چل کر صداقت کی سند پاؤں
یہی ہے مختصر سی داستاں بس میرے ارمان کی

زباں سے مجھ کو صادق کچھ بھی کہنے کی نہیں حاجت
مری آنکھوں میں پڑھ لیتے ہیں وہ تاریخ احسان کی

مرکز علم و عمل کے در پہ آکر آدمی
ہو مقدر میں تو بنتا ہے ابو ذر آدمی

سر جھکا کر نقشِ پائے حضرت شبیرؑ پر
آدمی بنتا ہے ایسے بندہ پرور آدمی

فکر کے بہتے ہوئے دریا کے ساحل پر کھڑا
تشنہ لب ہو گر تو ہوتا ہے سمندر آدمی

جب کہیں مل جائے مدحِ مرتضیٰؑ کی روشنی
اپنے سینے میں چھپا لیتا ہے بڑھ کر آدمی

میں عزادارِ حسنؑ ابن علیؑ کا نام لوں
آپ چاہتے ہیں اگر بہتر سے بہتر آدمی

قاتلان شام و کوفہ کا عمل بتلا گیا
کیسے بنتا ہے زمانے میں ستمگر آدمی

آپ کے در کی عطا ہے آپ کی تائید ہے
ہوگیا ہے آپ کا صادقؔ سخنور آدمی

کوئی بھی آپ کے جیسا نظر نہیں آیا
بدن تھا سامنے سایہ نظر نہیں آیا

نبیؐ کی ایک ہی تصویر تھے علی اکبرؑ
پھر اس کے بعد وہ چہرہ نظر نہیں آیا

بشر کی فکر کا مرکز رہی ہے کرب و بلا
کوئی بھی واقعہ ایسا نظر نہیں آیا

نبی کی شان علی کا حشم حسنؑ کا جمال
حسینؑ آپ میں کیا کیا نظر نہیں آیا

کبھی جہاد کے میدان میں چھ مہینے کا
کسی بھی دور میں بچہ نظر نہیں آیا

اس اہتمام سے میداں میں آتے ہیں اصغر
کہیں پہ نقشِ کفِ پا نظر نہیں آیا

یہ بزم خاص میں صادقؔ بس اک تمہارے سوا
ہو جس کا نام ہی سچا نظر نہیں آیا

علیؑ کی تیغ کے جوہر دکھائے جس نے میدان میں
مثال اس کی نہیں ملتی حدود بزم امکاں میں

محبت حضرت عباس کی بھی جزو ہے ایمان ہے
اشارہ یہ بھی ملتا ہے مزاج کلِّ ایماں میں

تلاوت بھی میں کرتا ہوں محبت کے اجالے میں
فضیلت ڈھونڈتا رہتا ہوں میں مولا کی قرآن میں

پھرا کر خشک ہونٹوں پر زبان اصغر نے بتلایا
یہ حملہ ہر زمانے میں رہے گا ذہنِ انسان میں

ابھی تک بھی خیامِ حضرت شبیر جلتے ہیں
تصور میں عزاداروں کے فکرِ اہلِ ایماں میں

سکینہ کے مصائب کربلا کا اک تسلسل ہیں
یہ بچی نے لکھا ہے پشت کے زخموں سے زندان میں

لہو سینے کا دے کر اس کو رکھتے ہیں تر و تازہ
خزاں آتی نہیں صادق کبھی اپنے گلستان میں

ماتم شبیر کی جس دم صدا آنے لگی
زندگانی عشق کا مفہوم سمجھانے لگی

میں فراتِ فکر سے پیاسا پلٹ کر آگیا
یادِ عباس علی جس وقت تڑپانے لگی

زینبؑ و کلثوم جس دم بے ردا داخل ہوئیں
آیہ تطہیر درباروں میں شرمانے لگی

ثانیِ حیدر چلے جس وقت دریا کی طرف
موت بھی عباس کے تیور سے گھبرانے لگی

نہر پر عباس کا جوشِ وفا بڑھنے لگا
العطش کی جب صدا کانوں سے ٹکرانے لگی

موت کی آغوش میں پیاسا ہی جانا ہے تمھیں
زینب دلگیر بچوں کو یہ بتلانے لگی

یا علی اصغر کہا میں نے چمن میں جس گھڑی
باوضو تھی جو کلی وہ خود ہی مسکانے لگی

میں نے حیدر کو صدا دی آگئے بالیں پہ وہ
موت صادق — جس گھڑی میرے قریں آنے لگی

سند سینے پہ ہے جس روز سے اصغر کے ماتم کی
فضیلت اور بھی کچھ بڑھ گئی ہے چشم پرنم کی

علی اصغر کو دے کر شاہ کی گودی میں بانو نے
بڑی حسرت سے دیکھا اور پھر نادِ علی دم کی

ہمارے نو اماموں کی ہلاکت کا سبب ہے یہ
بڑی پر درد ہے تاریخ میں تاثیر بھی سم کی

اگر شبیر کے تیور بدل جاتے یقین کیجئے
فنا کی زد پہ آجاتی بقا پھر سارے عالم کی

لحد جس پر بنائی چھ مہینے کے مجاھد کی
حسینؑ ابن علی نے آنسوؤں سے وہ زمین نم کی

مجھے تو فکر اب باقی نہیں ہے روز محشر کی
سند سینہ پہ لیکر جاؤں گا صادقؔ میں ماتم کی

زانوئے شبیر زہرا کی دعا رتبہ ملا
حُرؑ سے پوچھو شہ کے قدموں میں اُسے کیا کیا ملا

ایسا سجدہ جس سے سر اٹھا نہیں کاٹا گیا
یا حسینؑ ابن علی بس آپ کا سجدہ ملا

جنگ کرنے کی تمنا دل میں گھٹ کر رہ گئی
حضرتِ عباس کو جس وقت مشکیزہ ملا

احمدِ مختار کے ہمشکل اکبر کے سوا
پھر زمانے میں نہ کوئی دوسرا چہرا ملا

خوبی تقدیر کہتے ہیں اسے اہلِ نظر
مجلس شبیر ہی سے خلد کا رستہ ملا

جس زمیں پر خون گرا تھا حضرتِ شبیر کا
اس زمیں کی خاک کو فردوس میں حصہ ملا

ایک ننھے سے مجاہد کا تھا جس میں سر بلند
قافلہ راہِ وفا میں ایک ہی ایسا ملا

خون عابد کا تھا جس کے نقش میں جلوہ فگن
میرے سجدے کے لئے صادقؔ وہ نقش پا ملا

غم کو دل کی دنیا میں روشنی سمجھتے ہیں
ہم حسینؑ والے ہیں زندگی سمجھتے ہیں

یوں چلے علی اکبر شان سے پیمبر کی
جن کے دل منور ہیں وہ نبی سمجھتے ہیں

جو وفا کی راہوں پر ٹوٹ کر بکھر جائے
ہم اُسے ہمیشہ ہی اجنبی سمجھتے ہیں

کربلا کے میدان میں عزمِ حضرتِ عباسؑ
یا حسینؑ نے جانا یا علیؑ سمجھتے ہیں

جنگ جیت لی جس نے مسکرا کے کربل میں
اس کی یاد جب آئے زندگی سمجھتے ہیں

یہ بھی سانحہ صادقؔ کچھ عجیب لگتا ہے
بات حق کی کرتا ہوں شاعری سمجھتے ہیں

ہم اہل فکر و نظر کا وقار مانتے ہیں
علی کو رحمتِ پروردگار مانتے ہیں

علم کو دیکھ کہ جھکتی ہے جب نظر اپنی
اسی کو اپنی نظر کا قرار مانتے ہیں

نکلتے گھر سے ہیں ہم لوگ پڑھ کے نادِ علی
اسی کو اپنے لیے ہم حصار مانتے ہیں

زبان پھرائی جو اصغر نے خشک ہونٹوں پر
علی کی تیغ کا ہم اس کو وار مانتے ہیں

عطش سے جنگ کی دریا کو کردیا پانی
علی کے شیر کا یہ اختیار مانتے ہیں

حیات مانگ رہا تھا علی کے بیٹے سے
خدا کے دین کا یہ اعتبار مانتے ہیں

جو اہل فکر و نظر ہیں وہ ذکرِ حیدرؑ کو
خدا کا شکر ہے صادقؔ وقار مانتے ہیں

خدا گواہ کہ معصوم کی مثال نہیں
گلے پہ تیر کے لگنے کا بھی ملال نہیں

فرازِ دار پہ میثم ہیں اب بھی جلوہ فگن
یہ وہ عروج ہے جس کو کبھی زوال نہیں

تمہارے روضہ پہ سر کو جھکا کر ٹھیرا ہوں
ہیں میری آنکھ میں آنسو کوئی سوال نہیں

فرات سے پلٹ آنا کمال تھا عباس
فرات پر ترا قبضہ کوئی کمال نہیں

وہی ہے فکر سخن اور وہی ہے ذکرِ حسینؑ
مریضِ دل ہوں میں صادق — مگر خیال نہیں

مدح علی میں سلسلہ جو روشنی کا ہے
میثم صفت زبان کی حق آگہی کا ہے

شبیر میرا مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے
لہجہ بتا رہا ہے کہ فرماں نبی کا ہے

اے انقلابِ گردشِ دوراں ٹھہر ذرا
تیغ و سنان کے سامنے بیٹا علی کا ہے

پانی کو جس کی پیاس نے دی تھی شکست فاش
دریا پہ آج تک بھی تو قبضہ اُسی کا ہے

سوکھی زباں دکھا کہ یہ اصغر نے کہدیا
جو معرکہ شدید ہے وہ تشنگی کا ہے

صحرا کو کربلائے معلی بنادیا
یہ بھی ثبوت آپ کی دریا دلی کا ہے

اکبر بھی بے مثال ہے اصغر بھی بے مثال
جو وصف پھول کا ہے وہی تو کلی کا ہے

صادقؔ ہوں انقلاب زمانے کے باوجود
مجھ پر کرم یہ خاص خدا کے ولی کا ہے

قرآن مجسم کی جو تفسیر نہیں ہے
الفاظ اندھیرے میں ہیں تنویر نہیں ہے

کوئی علی اکبرؑ کے سوا ارض و سما میں
پیغمبر اسلام کی تصویر نہیں ہے

ماتم کا نشاں بھی ہے مودت کا صحیفہ
جنت کا قبالہ ہے یہ تحریر نہیں ہے

افواج کے اذہان پہ حملہ کیا جس نے
وہ حیدرِ کرار ہے بے شیر نہیں ہے

شبیر کا ذاکر ہوں میں شبیر کا مداح
اس رتبے سے بڑھ کر کوئی توقیر نہیں ہے

ذکرِ غم شبیر ہو یا مدحِ علی ہو
صادقؔ نہ کرے گر تو وہ تقریر نہیں ہے

اس شخص کو دعوت ہے اس محفل سرور میں
مولا کی محبت ہے جس کے بھی مقدر میں

معصوم کا بیٹا ہے معصوم کا پوتا ہے
عصمت ہے ہر اک رخ سے پیاسے علی اصغر میں

یہ فرق ہے مجھ میں اور کردارِ منافق میں
سجدوں پہ وہ نازاں ہے میں محفلِ سرور میں

یہ فاتحِ خیبر کے نائب کی فضیلت ہے
حیدر کی شجاعت ہے عباسِ دلاور میں

نازاں ہوں کہ جاؤں گا جنت میں بہر صورت
شبیر کا ماتم ہے اعمال کے دفتر میں

ہلکے سے تبسم سے ظالم کو سزا دینا
یہ وصف بھی شامل ہے اوصافِ پیمبر میں

ایمان کے منکر سے صادق یہ بتادینا
ایمان مجسم ہے تطہیر کی چادر میں

اسلام معتبر کا عنوان کربلا ہے
ایمان کی قسم ہے ایمان کربلا ہے

تشنہ لبی کی سرحد دریا کی ہے روانی
عباسؑ کی وفا کا ایوان کربلا ہے

روشن اگر ہو نظریں مشکل نہیں ہے پڑھنا
ریتی پہ جو لکھا ہے قرآنِ کربلا ہے

عباسؑ ہیں نہ قاسمؑ اکبر ہیں اور نہ اصغرؑ
خاموش ہیں حرم بھی سنسان کربلا ہے

معصوم تشنہ لب کی میت رکھی ہوئی ہے
محسوس ہورہا ہے زندان کربلا ہے

ذہن بشر کو جس نے ایمان کی روشنی دی
دنیائے فکر پر وہ احسان کربلا ہے

صادقؔ ذرا یہ کہدو شبیر کے عدو سے
یہ راہِ معرفت ہے نادان کربلا ہے

نام مولاؑ کا لکھا ہے یا چراغِ طور ہے
روشنی ہے دل میں آنکھوں میں مکمل نور ہے

دل کو کعبہ کہہ رہا ہوں جس میں ہے یادِ حسینؑ
کون کہتا ہے کہ کعبہ کربلا سے دور ہے

سر اٹھا سکتا نہیں دنیا میں اب کوئی یزید
کربلا حساس ذہنوں پر ابھی مسطور ہے

رو رہے ہیں حضرت جبریل منظر دیکھ کر
فاطمہ کی گود کا پالا غموں سے چور ہے

لکھ رہا ہوں خون سے میں داستانِ کربلا
سرخ رو جنت میں جانے کا یہی دستور ہے

کتنی پاکیزہ ہے فکر صادقؔ نقوی نہ پوچھ
یوں سمجھ لے جیسے ہر مصرعہ مثالِ حور ہے

علیؑ تھے میری نظر میں کتاب سے پہلے
انھیں میں دیکھ چکا ہوں حجاب سے پہلے

یہ معجزا بھی ہے ابن حسنؑ کی عظمت میں
شباب ٹوٹ کے آیا شباب سے پہلے

سوال بن کہ وہ ذہن بشر میں آج بھی ہے
صغیر کا وہ تبسم جواب سے پہلے

میں اشکِ ماتم شبیرؑ لے کہ آیا ہوں
بروز حشر کہوں گا حساب سے پہلے

سرورق پہ ہی عباسؑ لکھ دیا میں نے
وفا کے سارے صحیفے میں باب سے پہلے

یوں میرے اشک عزا بہہ رہے ہیں دامن پر
ثواب جیسے لکھا ہو ثواب سے پہلے

لحد کی گود میں اپنے جگر کے ٹکڑے کو
کسی بھی ماں نے نہ دیکھا رباب سے پہلے

وفا کے باب میں صادقؔ نہ کوئی لغزش ہو
سبق یہ میں نے پڑھا ہے نصاب سے پہلے

ذکر سجاد شرف ہے مری تقدیر میں ہے
فکر کا دائرہ اب تک اسی زنجیر میں ہے

لفظ قران کے ہیں ثانیِ زہرا کی زبان
لہجہ حیدر کرار بھی تقریر میں ہے

خون ایمان کی طاقت کا سہارا بن جائے
یہ تو تاثیر فقط ماتمِ شبیرؑ ہے

یا حسینؑ ابن علیؑ لکھا ہے میرے دل پر
میری جنت کی ضمانت اسی تحریر میں ہے

ظلم کاٹا ہے ذہن کاٹے ہیں لشکر کاٹا
جراتِ حضرتِ عباسؑ بھی بے شیر میں ہے

میں تو مولاؑ ہی کی نسبت سے ہوں صادق نقوی
نام میرا بھی لکھا خلد کی جاگیر میں ہے

جس نے بھی عزا خانہ سجاتے نہیں دیکھا
احساس کی دنیا کو بساتے نہیں دیکھا

شبیرؑ کے دشمن کو محمدؐ کی قسم ہے
ایمان کی سرحد پہ بھی آتے نہیں دیکھا

مظلوم کی پہچان ہیں بہتے ہوئے آنسو
ظالم کو کبھی اشک بہاتے نہیں دیکھا

دروں کے نشان پشت پہ اور پاؤں میں چھالے
بیمار کو اس طرح ستاتے نہیں دیکھا

رحمت کے فرشتوں کو عزا خانہ شہ میں
آتے ہوئے دیکھا ہے پہ جاتے نہیں دیکھا

کس شان سے جیتا ہے عزادارِ حسینی
کیا بزم میں صادقؔ کو بتاتے نہیں دیکھا

فضائے علم کی دینا فصاحتِ حیدرؑ
ہے عظمتوں کا خلاصہ ریاضتِ حیدرؑ

ہر ایک منزلِ دشوار پر مدد کی ہے
بشر سے تابہ نبی ہے عنایتِ حیدرؑ

لباس سادہ غذا سادھی زندگی سادہ
ہمارے دور کی حاجت قناعتِ حیدرؑ

میں انقلاب کی دنیا سنوار سکتا ہوں
اگر نصیب ہو مجھ کو صداقتِ حیدرؑ

ہر ایک دور میں انسان کو روشنی دی ہے
کبھی رکی نہیں اب تک سخاوتِ حیدرؑ

یہ زندگی نہیں سانسوں کا بہتا دریا ہے
بشر کے واسطے یہ ہے بشارتِ حیدرؑ

ہر ایک لفظ ہے گہرے سمندروں کی طرح
سمجھ میں آ نہ سکے گی بلاغتِ حیدرؑ

نماز ان کی نہ ٹوٹی نکل گیا ناوک
عبادتوں کا شرف ہے عبادتِ حیدرؑ

طرح میں دیکھیئے صادقؔ سمٹ گئی تاریخ
" بقائے دینِ خدا ہے شہادتِ حیدرؑ "

آواز یہ دیتا ہے کوئی بزمِ ارم سے
جنت مری جاگیر ہے مولا کے کرم سے

کہتے ہیں مجھے لوگ عزادارِ حسینؑ
پہچان لیا جاتا ہوں میں دیدہ نم سے

ورثہ میں ملی ہے مجھے مے خانہ کی تہذیب
پیتا ہوں مئے حبِ علیؑ ساغرِ جم سے

شبیر کہ ہاتھوں پہ ہے پیاسا علی اصغر
میدان لرزتا ہے لعینوں کے ستم سے

صادقؔ نے شرف حضرت شبیرؑ سے پایا
ذاکر بھی ہے شاعر بھی ہے مولا کے کرم سے

سجدہ ہے ترا خاک پہ تسلیم و رضا کا
یہ ہے شرف خاص فقط کرب و بلا کا

مجلس میں ہے شہزادی کونینؑ کی آمد
یہ وقت ہے اے دوست عبادت کا، دعا کا

مالک ترے دربار میں بس ایک دعا ہے
دیوانہ بنادے مجھے شاہِ شہدا کا

حیدر کی دعا فاطمہ زہرا کی تمنا
عباس عطیہ ہے شہ دین کو خدا کا

شبیرؑ کا ذاکر ہوں ثنا خواں علیؑ ہوں
صادقؔ یہ تصدق ہے غریب الغربا کا

ایمان کی حیات ہے سرور کے نام سے
باقی وفا ہے ثانیٔ حیدر کے نام سے

اللہ رے تبسم معصوم کا اثر
آنسو نکل پڑے علی اصغر کے نام سے

مربوط ہوگیا ہوں میں اہلِ ولا کے ساتھ
قطرہ نے اوج پایا سمندر کے نام سے

بدر و حسنین خیبر و خندق کے معرکے
لکھے گئے ہیں حیدرِ صفدر کے نام سے

موتی لٹا رہا ہوں سرِ بزم دیکھنا
اشکِ عزائے سبط پیمبر کے نام سے

ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا حسینؑ ہے
بخشش کا اعتبار ہے سرور کے نام سے

صادقؔ فضائے درد میں جیتا ہوں مطمئن
اکبرؑ کے نام سے علی اصغرؑ کے نام سے

تقدیر کائنات کا عنوان لیے ہوئے
شبیر ہیں حیات کا سامان لیے ہوئے

جھولے کو دیکھتی رہی مادر تمام رات
آنکھوں میں اضطراب کا طوفان لیے ہوئے

مشکیزہ لے کے ہاتھ میں عباس یوں چلے
جاتے ہوں جیسے ہاتھ میں قرآن لیے ہوئے

اب کیا ثبوت چاہیے ظلمِ یزید کا
اصغر کے خون کا داغ ہے داماں لیے ہوئے

بزمِ عزائے حضرت شبیر کے لیے
پاکیزہ نفس چاہیے ایماں لیے ہوئے

مدحِ علی عزائے حسینی کے درمیاں
میں جی رہا ہوں رحمتِ یزداں لیے ہوئے

ماتم کے داغ ، اشکِ عزا ، حُبِ اہلبیت
جاؤں گا روزِ حشر یہ سامان لیے ہوئے

تاریخ میں لکھا ہے مسلمان تھا یزید
میں پڑھ رہا ہوں دیدۂ حیران لیے ہوئے

صادقؔ خدا گواہ کے اصغر کے باب میں
لکھتا ہوں شعر دیدۂ گریان لیے ہوئے

وفا پسند نظر میں یہ واقعہ کیا ہے
حیات دین محمد ہے کربلا کیا ہے

یہ اک سوال ہے جس کا کوئی جواب نہیں
تبسمِ علی اصغر کا معجزا کیا ہے

پلٹ گیا لب ساحل سے تشنگی کا نقیب
شکستِ آب ہے عباسؑ کی وفا کیا ہے

حبیب ابن مظاھر سے مانگ لایا ہوں
شبابِ عزم و عمل ہے یہ حوصلہ کیا ہے

حسین ابن علیؑ نے بتادیا ہم کو
فنا کے بعد جو ملتی ہے وہ بقا کیا ہے

رداءِ حضرت زینب کی عظمتوں کے نثار
خلوصِ آیہ تطہیر ہے ردا کیا ہے

یہ کون بول رہا ہے نبی کے لہجہ میں
فغانِ کرب و بلا میں یہ معجزا کیا ہے

نہیں ہے موت کی اب مجھکو فکر اے صادق
حسن کہ لال نے بتلادیا مزا کیا ہے

دنیائے علم و فکر کے مصدر حسینؑ ہیں
ہر انقلاب وقت کے محور حسینؑ ہیں

سوچا کہ اعتبارِ مشیعت کا کیا ہے نام
آواز آئی مرضیِ داور حسینؑ ہیں

یہ سجدۂ نیاز ہے معراجِ بندگی
سجدے میں سر ہے اور تہِ خنجر حسینؑ ہیں

یوں لڑ رہی تھی حضرتِ شبیر کی سپاہ
محسوس ہورہا تھا بہتر حسینؑ ہیں

جبریل نے کہا تھا یہ فطرسؑ کے سامنے
میری بساطِ فکر سے بڑھ کر حسینؑ ہیں

خون اپنا دے کہ دین کی قسمت سنوار دی
اس وصف میں نبی کے برابر حسینؑ ہیں

صادقؔ کی بات ہے اسے لکھ لیجئے حضور
صبر و ثبات و شکر کا پیکر حسینؑ ہیں

مدحِ حیدرؑ ہے ذکرِ سرورؑ ہے
میری تقدیر کا یہ جوہر ہے

نام عباس ورد کرتا ہوں
اسم اعظم کہ یہ برابر ہے

لاش ارزق کی ہے ثبوت اس کا
ضربِ قاسم بھی ضربِ حیدرؑ ہے

دو اماموں کی آرزو قاسم
دو جہاں میں تو سب سے بہتر ہے

دو پہر ، پیاس ، لشکر اعدا
کتنے طوفان ہیں ، ایک اکبرؑ ہے

تیرا ذاکر بھی تیرا شاعر بھی
تیرے صادقؔ کا کیا مقدر ہے

ہر ثنا خوان محمد کا ہے پیغام وہی
الفتِ آل نبی ہے تو ہے اسلام وہی

کل بھی تھا فکر کا عنوان حسین ابن علی
اب ہی ہے فکر کی پرواز کا بس نام وہی

منقبت مرثیہ نوحہ یا قصیدہ لکھنا
آج بھی کرتے ہیں ہم لوگ فقط کام وہی

لاش مظلوم کی تھی بے سر و سامانی میں
قید خانے میں قیامت کی تھی بس شام وہی

حُر کی قسمت میں جو لکھا تھا وہی مانگتا ہوں
مجھ کو دے دیجئے مولا فقط انعام وہی

جس کو صادقؔ نے ہر اک دور میں اعظم سمجھا
عظمتِ اصغرِ بے شیر کا ہے نام وہی

سرخی سے لکھا ہے یہ سرنامہ محضر میں
ننھا سا مجاہد بھی شامل ہے بہتر میں

بابا کی عزاداری اور ظلم کے سائے میں
زہرا کی صفت پائی شبیر کی دختر میں

معصوم کا بیٹا ہے معصوم کا پوتا ہے
عصمت ہے ہر اک رخ سے پیاسے علی اصغر میں

شبیر کا ذاکر ہوں حیدر کا ثنا خواں ہوں
بس اس کے سوا کیا ہے اعمال کے دفتر میں

اک رات کی مہلت کا مطلب تھا یہی شاید
تھی حر کی جگہ خالی شبیر کے لشکر میں

ہلکے سے تبسم سے ظالم کو سزا دینا
یہ وصف بھی شامل ہے اوصاف پیمبر میں

آدم سے محمد تک قرآن کی قسم صادقؔ
عصمت کی فضائیں ہیں بس خانہ حیدر میں